فکر اقبال کی روشنی میں تصور وحدت اور اس کی معاصر تطبیق

The Concept of Unity in the Light of Iqbal's Thought &it's Contemporary Application

Dr. Kashif Sheikh
Associate Professor, Riphah International University Islamabad.
kashif.sheikh@riphah.edu.pk

Dr. Ikram Ul Haq
Assistant Professor Department of Islamic Studies Riphah International University Islamabad:
ikram.haq@riphah.edu.pk

Dr. Zia Ul Haq
Senior Lecturer, Riphah International University Islamabad:
reargashoo@hotmail.com

Abstract:
Allama Iqbal, the national poet of Pakistan presented the idea of the creation of separate state for Muslims in subcontinent. Allama Iqbal had strong believe in purposeful poetry. Iqbal's poetry rewarded a vital role in promotion of true spirit of Islamic ideology in Muslims minds that showed the way to get rid of colonial slavery. That is why Iqbal has been considered not only a poet but as a reformer and influential philosopher. Iqbal advised the Muslims of subcontinent to adopt the way of Unity among the Muslims as right path towards sustainable development and wellbeing of the Muslim community. In the light of the Iqbal viewpoint, it has been recommended for revival of Muslims in the world that they have to follow the concept of Unity, research and innovation in all walks of life. According to Iqbal, the main reason for the decline of Muslims is the

mutual discrimination between them as well as the lack of communal harmony among them. In this paper it has been admitted that the concept of Unity is prominently reflected in Iqbal's poetry, speeches and writings. In this article, in the light of Iqbal's thought, an attempt has been made to reveal the foundations of Unity and it has been declared that without adopting the policies aligned with the concept of Unity suggested by the artist of Pakistan at all levels, Pakistan cannot be brought to its true destination.

Keywords: *The Concept of Unity, Iqbal's thought, Muslim Society, Subcontinent, Pakistan*

تمہید

علامہ اقبال بامقصد شاعری پر یقین رکھتے تھے۔ علامہ اقبال کی فکر نے مسلمانان برصغیر کے ذہنوں میں انقلاب برپا کیا اور انہیں دور غلامی کی اثرات بد سے نکلنے کی راہ دکھلائی۔ فکر اقبال کے ان اثرات کی بنا پر اقبال کو بحیثیت مفکر و مصلح مسلمانوں کی عصری تاریخ میں امتیازی مقام حاصل ہے۔ اقبال نے مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ ان کے فکری اور عملی انحطاط کا علاج اسی راستے کو اپنانے میں ہے جس پر چل کر قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے پوری انسانیت کو ترقی اور فلاح وبہبود کی شاہراہ پر گامزن کر دیا تھا اور وہ راستہ وحدت کا راستہ ہے۔ فکر اقبال کی مدد سے مسلمانوں پر واضح کیا جا سکتا ہے کہ اگر مسلمانوں میں وحدت ہو اور اس کے ساتھ ہی ان کا تحقیق و اجتہاد کے ساتھ مضبوط رشتہ استوار ہو جائے تبھی ان کے عروج کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔ اقبال نے مسلمانوں میں اپنے افکار و خیالات کے ذریعے نہایت بلند آہنگ میں وحدت کا تصور پیدا کرنے کی کوشش کی اور انہیں خبر دار کیا کہ ان کی صفوں میں افتراق و تشتت ان کے اجتماعی وجود کے لئے سم قاتل ہے۔ تصور وحدت علامہ اقبال کی شاعری، ان کی تقریروں اور تحریروں سب میں نمایاں طور پر جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ اس مقالے میں اقبال کی فکر کی روشنی میں وحدت کی انہی بنیادوں کو آشکار کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور قرار دیا گیا ہے کہ مصور پاکستان کی تجویز کردہ وحدت کی پالیسی کو ہر سطح پر اپنائے بغیر مملکت خداداد پاکستان کو اس کی حقیقی منزل سے ہم کنار کرنا ممکن نہیں۔

اسلام دین وحدت:

اسلام دین وحدت ہے اور اسلام کو عرب کی سرزمین میں جب سرور کونین ﷺ نے پیش فرمایا تھا اس وقت انسانی معاشرے کا شیرازہ بکھر چکا تھا اور ان کی اجتماعی زندگی تباہی سے دوچار ہو چکی تھی۔ بطور خاص عرب کا معاشرہ جہاں حضور ختمی مرتبت ﷺ کی بعثت ہوئی قبائل کی صورت متعدد قومیتوں میں بٹا ہوا تھا، حسب و نسب اور رنگ و نسل صرف وجہ افتخار ہی نہیں تھے بلکہ اس کی بنیاد پر جنگیں ان کا معمول بن چکی تھیں جو بہت معمولی باتوں پر شروع ہو کر نسل در نسل ختم ہونے کا نام نہیں لیتی تھیں۔ حالی نے بکر و تغلب قبائل عرب کی جنگوں کے اسباب کا خوب نقشہ کھینچا ہے:

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا
کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لب جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا
کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یونہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں
یونہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں [1]

وطنی اور لسانی تعصب کے سبب فتنہ و فساد کا دور دورہ تھا اور کہیں مذہب وجہ نزاع شدید بنا ہوا تھا۔ جنگوں کا لامتناہی سلسلہ جاری تھا اور اس کی بنا پر انسانی بستیاں اجڑ رہی تھیں، انسانوں کا خون بے دریغ بہایا جا رہا تھا اور اس خون کا کوئی مداوا کرنے والا بھی نہ تھا اور عام انسان انصاف کی آس تک نہ لگا سکتا تھا۔ ایسی حالت میں خاتم النبیین ﷺ نے اسلام کا پیغام عام کیا جس میں نسل انسانی کی وحدت کا مکمل انتظام تھا اور کیوں نہ ہوتا، بلاشبہ تمام انسانوں کو ایک ہی

---

[1] - الطاف حسین حالی، مسدس حالی، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور (صفحہ ۵

چشمہ صافی سے سیر اب کرنے کا راستہ صرف اسلام ہی دے سکتا تھا جس کے سائے تلے تمام رنگ و نسل، وطن و زبان اور بود و باش کے لوگ یکساں فیض پا سکتے تھے، اعلیٰ و ادنیٰ اور امیر و غریب کجا، سردار، رعایا اور غلام برابر ہو گئے بلکہ ہر سطح کے صاحب اختیار و اقتدار حکمران اور عام شہری سب برابر ہو گئے اور یہ سب کچھ صرف اور صرف اسلام کے دم قدم سے ممکن ہوا۔ بقول اقبال:

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے[2]

اسلام معاشرے سے طبقاتی تفریق کے خاتمے کا قائل ہے۔ علامہ اقبال نے بھی اسلام کے اسی تصور کو پروان چڑھایا۔ اقبال نے ایک مقام پر فرمایا ہے: اسلام میں امراء کی حکومت کا کوئی تصور نہیں، پیغمبر اسلام فرماتے ہیں کہ تم میں شریف ترین وہ ہیں جو اللہ سے بے حد ڈرتے ہوں۔ کوئی مراعات یافتہ طبقہ نہیں ہے، کوئی پاپائیت نہیں ہے اور ذات پات کا کوئی نظام نہیں۔ اسلام ایک وحدت ہے جس میں کوئی امتیاز نہیں اور اس وحدت کا حصول انسانوں کو اللہ کی توحید اور پیغمبر کی رسالت کا قائل کرنے کے بعد ممکن ہوا۔[3]

بلاشبہ یہ سب کچھ اسی دین اسلام کے ذریعے ہوا تھا جو آج بھی ہمارے درمیان اسی طرح محفوظ ہے جس طرح آج سے چودہ صدیاں پہلے محفوظ تھا اور آج ہماری یہ حالت ہے کہ ہم کہیں اپنا کچھ بھی نہیں بچا پا رہے، اس لیے سوال یہ ہے کہ اس دور میں اسلام کے ذریعے وحدت و یکجہتی کس طرح قائم ہوئی۔ دراصل اسلام نے سب سے پہلے تو اپنے ماننے والوں میں وحدت کی بنیاد مضبوط کی۔ اسلام قبول کرنے والے ہر قسم کے نفاق، تعصب اور فرقہ پرستی ہر بیماری سے پاک زندگی کے حامل تھے، پھر ان میں رنگ و نسل، کالے گورے کی تفریق کے بجائے باہمی اخوت و مودت

---

[2] علامہ محمد اقبال، بانگ درا، (اقبال اکادمی لاہور ۲۰۱۸ء) صفحہ ۱۷۷

[3] سید رشید رضا، اسلام دین وحدت، (دعوہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد ۱۹۹۳ء) صفحہ ۶۔۵

اور عام انسانوں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ان میں نبی کریم ﷺ نے انتھک محنت کے ساتھ اسلام کے ابدی اور عالمگیر اصولوں کی تفہیم اور اپنے مثالی اخلاق و کردار کے ذریعے یہ تمام جذبات پروان چڑھانے میں کامیابی حاصل کی۔ آج بھی اسی ذریعے سے تمام دنیا کے انسان ایک ہی قومیت، ایک ہی شریعت اور ایک ہی حکومت کے سلسلے میں منسلک ہو کر اسی طرح ایک ہو سکتے ہیں جس طرح ان کی اصلیت ایک ہے اور ان سب کا پروردگار ایک ہے۔ اس اصول کے تحت مسلمانوں کو ملی و قومی، فکری و روحانی اور قانونی و سیاسی وحدت کی لڑی میں پرونا از حد ضروری اور عصر حاضر کا اہم ترین تقاضہ ہے۔[4] علامہ محمد اقبال نے اپنے افکار تازہ کے ذریعے اسی وحدت کو فروغ دیا ہے۔ اقبال کی فکر کی روشنی میں آج بھی اس سمت مسلمانان عالم تیزی کے ساتھ پیش قدمی کر سکتے ہیں جس کے نشان منزل اقبال نے واضح کیے ہیں اور ان میں حقیقی طور پر نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ تمام عالم انسانیت کی نجات و کامیابی کا راز مضمر ہے۔

اقبال کے افکار میں تصور وحدت کی مختلف جہتیں:

اقبال کی فکر اپنی بنیاد کے اعتبار سے وحدت کی ترجمان ہے۔ اقبال نے خطبات کے دیباچے میں ابتدا اسی تصور سے کی ہے۔ انسانی زندگی میں وحدت، فکر اور عمل دونوں میں باہم مطابقت و توافق کی متقاضی ہے اور اسی بات پر زور دیتے ہوئے اقبال نے خطبات کی ابتدا ہی میں کہا ہے:

قرآن پاک کا رجحان زیادہ تر اس طرف ہے کہ فکر کی بجائے عمل پر زور دیا جائے۔[5]

---

[4] اقبال احمد صدیقی (مترجم)، علامہ اقبال، تقریریں، تحریریں اور بیانات، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان طبع دوم ۲۰۱۵ء) صفحہ ۱۳۶

[5] ڈاکٹر محمد اقبال، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، ترجمہ سید نذیر نیازی، (بزم اقبال لاہور ۲۰۱۰ء) صفحہ ۳۶۔۳۵

مزید برآں حکیم الامت ارشاد باری تعالیٰ: ما خلقکم و لابعثکم الا کنفس واحدۃ سے حیاتی وحدت کا استدلال کرتے ہوئے مطالبہ کرتے ہیں اور اسی کو اپنے خطبات کا مقصود و مطلوب بھی قرار دیتے ہیں:

یہ مطالبہ کیا غلط ہے کہ مذہب کی بدولت ہمیں جس قسم کا علم حاصل ہوتا ہے اسے سائنس کی زبان میں سمجھا جائے۔ چنانچہ یہی مطالبہ ہے جسے ان خطبات میں جو مدراس مسلم ایسوسی ایشن کی دعوت پر مرتب ہوئے اور مدراس، حیدرآباد اور علی گڑھ میں دیے گئے، میں نے اسلام کی روایات فکر، علیٰ ہذا ان ترقیات کا لحاظ رکھتے ہوئے جو علم انسانی کے مختلف شعبوں میں حال ہی میں رونما ہوئیں، الٰہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید سے ایک حد تک پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔[6]

یہی تصور وحدت ہے جو اقبال کی شاعری کو شان امتیازی سے ہمکنار کرتا ہے جس کے سبب اقبال بزم شعراء میں یکتائے روزگار دکھائی دیتے ہیں۔ اردو ادب میں بالخصوص شعری ادب میں جب ہم یہ دیکھنا شروع کریں کہ وہ کون سی ہستی ہے جس نے اپنے مخاطب کو تصور و خیال میں الجھائے رکھنے کے بجائے کوشش کی ہے کہ اسے اپنے دور کے جیتے جاگتے ہی نہیں بلکہ سلگتے اور اضطراب میں مبتلا کرتے مسائل سے آشنا رکھنے اور اسے بیداری کے ساتھ ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے پر آمادہ رکھے تو اس سلسلے میں علامہ اقبال کا نام نامی برصغیر کے ماحول میں سرفہرست دکھائی دیتا ہے جنہوں نے اپنی فنی کاوشوں کو اپنی ذات کی حد تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کی تمام تر تگ و تاز کا مرکز و محور فرد کے ساتھ اجتماعیت بھی رہی، وہ اپنی شاعری کے ذریعے پوری ملت اور پوری انسانیت کی ترجمانی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں

---

[6] ایضاً حوالہ سابق

موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں [7]

جب اقبال نے یہ حقیقت پالی کہ انسان کو ابدی حیات و نجات کی ضمانت اسلام کے سوا کوئی دوسرا مذہب نہیں دے سکتا تو اقبال نے اس حقیقت کا اپنی شاعری اور نثر دونوں میں بلا تامل اظہار کرنا اپنے فکر و فن کا مقصود حقیقی بنالیا۔ یہ قابل ستایش جدت فن کی خوبیوں کو قربان کیے بغیر اختیار کرنا اقبال مرحوم کا ہی خاصہ تھا۔بقول نعیم صدیقی :

وہ قوت جسے مذہب قرار دے کر شعر و فن کی محفلوں سے باہر نکال دیا گیا تھا، اسے اقبال ایک پر عظمت تحریک کی حیثیت سے اپنے ساتھ لے کے ایوان سخن میں داخل ہوا اور پھر اس محبوب کی شان میں بے محابا قصیدے پڑھے۔ اقبال کا اصل کمال اس معاملے میں یہ ہے کہ اس نے اسلام کی روشن صداقتوں کو شعر میں ایسی شان سے سمویا کہ شعریت کو کوئی ضعف نہیں پہنچا، بلکہ شعریت اور زیادہ نکھر گئی۔ [8]

علامہ اقبال نے شعر و فن دونوں میدانوں میں یکساں طور پر مسلمانوں کو اسلام کی عظمت رفتہ کی یاد دلائی اور اسلام کے تصور وحدت کو اجاگر کیا۔ اس بات کا اعتراف ان اہل نگارش نے بھی کیا ہے جنہوں نے اقبال کے فکر و فن کی کاوشوں کو یکجا کیا یا اس پر کسی بھی نوعیت کا کام کیا ہے۔ اس سلسلے میں اقبال احمد صدیقی جنہوں نے علامہ اقبال کی تقریروں اور تحریروں کو اردو کے قالب میں ڈھالا، انہوں نے مسلم مفکرین میں اقبال کی انفرادیت کے بارے میں لکھا ہے: دراصل یہ ان کی خصوصی اہلیت ہے کہ جو انہیں تاریخ میں نظر آنے والے بیشتر مسلم مفکروں سے ممیز و ممتاز کرتی ہے کہ انہوں نے اسلام کا تفصیلی اور ہمدردانہ جائزہ لیا اور اسے کلیتاً مکمل وحدت تصور کیا۔ [9]

تصور خودی اور وحدت:

---

[7] علامہ محمد اقبال، بانگ درا، (اقبال اکادمی لاہور ۲۰۱۸ء) صفحہ ۲۰۱

[8] نعیم صدیقی، اقبال کا شعلہ نوا، (ادارہ معارف اسلامی لاہور ۱۹۹۱ء) صفحہ ۱۶۔۱۵

[9] اقبال احمد صدیقی (مترجم)، علامہ اقبال، تقریریں، تحریریں اور بیانات، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان طبع دوم ۲۰۱۵ء) صفحہ ۱۲

اقبال کے ہاں خودی کا تصور اپنی بنیاد کے اعتبار سے تصور وحدت پر مبنی ہے۔ گویا اقبال نے مسلمانوں کو جس انداز سے خودی کو اپنانے کی تعلیم دی ہے ان کی مکمل کوشش یہ رہی ہے کہ مسلمان تصور خودی کو ذاتی بڑائی اور فخر و تکبر میں مبتلا ہونے کے بجائے اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی کا محرک اولین بنائیں۔ اقبال بیان کرتے ہیں:

خودی کی شوخی و تندی میں کبر و ناز نہیں
جو ناز ہو بھی تو بے لذت نیاز نہیں [10]

خودی کے تصور کو زیادہ وضاحت کے ساتھ اقبال نے مثنوی اسرار و رموز میں بیان کیا ہے جسے اقبال کے مذہب خودی کی بائبل قرار دیا گیا ہے۔[11] اقبال نے خودی کے تصور کے ذریعے وحدت کو فروغ دینے کی سعی کی ہے جس کی ضمن میں ایک تو انہوں نے مسلمانوں کو اپنے افکار و نظریات کو دلجمعی سے اپنائے رکھنے اور اس کے مطابق اپنی تہذیب اور معاشرت کو استوار کرنے کی پیہم تلقین کی ہے، اسی طرح انہوں نے اہل اسلام کو وحدت فکر و عمل سے ہمکنار کرتے ہوئے انہیں اپنے عقیدے و عمل دونوں میں توافق لانے پر ابھارا ہے اور دوسرے انہوں نے مسلمانوں کو تصور اجتماعی خودی کے تحت منقسم اور منتشر انفرادیت سے نکل کر منظم و مستحکم ہیئت اجتماعیہ اسلامیہ کے قیام پر زور دیا ہے۔[12]

واضح رہے کہ اقبال نے مسلمانان برصغیر کو اپنے تصور دین کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے خطہ زمین کے حصول کی جانب متوجہ کیا اور اس کے لیے انہوں نے بطور خاص ہیئت اجتماعیہ اسلامیہ کی اصطلاح کا استعمال کیا ہے۔ مسلمانوں کو ان کے افکار و نظریات پر قائم رہنے کی پر زور تاکید اور پورے اعتماد کے ساتھ دین اسلام کی مستحکم فکری

---

[10] علامہ محمد اقبال، بال جبریل، (اقبال اکادمی لاہور ۲۰۱۸ء) صفحہ ۵۲

[11] پروفیسر فروغ احمد، اقبال کا فلسفہ خودی اور عقیدہ آخرت، (اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۹ء) صفحہ ۹

[12] ایضاً صفحہ ۱۴-۱۳

بنیادوں کا دفاع اقبال کا طرہ امتیاز ہے۔ لندن میں قیام کے دوران ایک علمی گفتگو کے دوران اسلامی عبادات کی ماہیت پر بحث کرتے ہوئے علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

اسلام ایک Dogmatic مذہب نہیں ہے، اس کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ نوع انسانی ایک گھرانا اور ایک خاندان بن جائے۔ شعراء و فلسفی اس اتحاد نوع انسانی کے محض خواب دیکھتے رہے لیکن اسلام نے اس مقصد کے حصول کے لیے ایک عملی منصوبہ پیش کر دیا، انہوں نے کہا: آج دنیا میں اسلام کے سوا کوئی ایسا طریق نہیں جس پر کاربند ہو کر یہ امتیازات مٹ سکیں۔ اسلام نے جو فرائض و ارکان یا طریق عبادات مقرر کیے ان سب کا مدعا یہ ہے کہ انسانی قلوب کو رنگ نسل اور قوم کے امتیازات سے پاک کر دے۔ لندن ہی میں انہوں نے کہا: اسلام نے جو مختلف ارکان و فرائض مقرر کیے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں سے رنگ نسل قوم وغیرہ کی تفریقات اور امتیازات مٹ جائیں۔ دنیائے اسلام میں امتیازات نہیں ہیں۔ اسلام کے سوا اس مقصد کے لیے کوئی باروح تحریک موجود نہیں ہے۔[13]

تصور علم اور وحدت:

تعلیم کے حقیقی تصور کو اقبال کے ہاں اتنی ہی اہمیت حاصل رہی ہے جتنی کہ ان کے ہاں خودی جیسے اہم تصورات کو حاصل رہی۔ اقبال نے تعلیم کے سلسلے میں ایک جانب تعلیم اور خودی کو باہم مربوط بنا کر پیش کیا کہ اس کے بغیر تعلیم کے مقاصد کی آبیاری ممکن نہیں۔ اس سلسلے میں کہتے ہیں:

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے، اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب

---

[13] سمیع اللہ قریشی، افکار اقبال، (سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۷ء) صفحہ ۸۸۔۸۷

سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر[14]

علامہ اقبال نے تعلیم کے باب میں زیادہ تر مسلمانوں کو اپنے عظیم تاریخی ورثے کی جانب پلٹنے کا مشورہ دیا جس کی رو سے انہیں جدت و اجتہاد کا بے مثال درس دیا جسے اپنا کر مسلمانوں نے صدیوں تک دنیائے تحقیق و ترقی کو اپنے ڈھب پر چلایا ہے اور خوب چلایا ہے۔ اقبال نے خطبات میں قدرے تفصیل کے ساتھ اجتہاد کے بارے میں کلام کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اجتہاد ہی کے ذریعے اسلام نے ہر دور کے انسان کو ہر قسم کے مسائل کا نہایت کامیابی کے ساتھ حل پیش کیا ہے۔ ایک اہم پہلو یہاں یہ ہے کہ اقبال نے خطبات کے دیباچے میں اختصار کے ساتھ ہی سہی اپنا مدعا بیان کر دیا ہے کہ مذہب کی بدولت ہمیں جس قسم کا علم حاصل ہوتا ہے اسے سائنس کی زبان میں سمجھا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ اشارہ بھی ضروری سمجھا کہ وہ دن دور نہیں کہ مذہب اور سائنس میں ایسی ایسی ہم آہنگیوں کا انکشاف ہو جو سر دست ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔

اقبال نے تعلیم کے بارے میں مغربی نظام تعلیم کو اسی طرح آڑے ہاتھوں لیا ہے جس طرح انہوں نے مغربی تہذیب و ثقافت کو جابجا تنقید کا نشانہ بنایا۔ اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف اقبال خود بھی ان افراد میں سے تھے جو مغربی نظام تعلیم میں غوطہ زن ہوئے اور بلاشبہ ان پر اس کا اثر ضرور رہا ہو گا تاہم یہاں زیادہ اہم یہ سوال ہے کہ مسلمان اہل مغرب کے علوم کس حیثیت میں حاصل کر رہے ہیں، کیا وہ ان علوم کو اسی طرح اسلام کا خادم بنا رہے ہیں جس طرح کسی دور میں مسلمانوں نے یونان سمیت دنیا بھر کے علوم کو اسلام کی خدمت پر لگا دیا تھا یا پھر وہ اسلام کو ان سب علوم کی خدمتگاری پر لگا رہے ہیں۔ اقبال نے اس سلسلے میں بھی قابل تقلید مثال پیش کی اور بقول ابو الحسن علی ندوی اقبال مغربی تعلیم کے سمندر میں غوطہ لگا کر ابھر آئے اور نہ صرف یہ کہ صحیح سلامت

---

[14] علامہ محمد اقبال، ضرب کلیم، (اقبال اکادمی لاہور ۲۰۱۸ء) صفحہ ۱۶۶

ساحل تک پہنچے بلکہ اپنے ساتھ بہت سے موتی تہ سے نکال کر لائے اور ان کی خود اعتمادی، اسلام کی ابدیت اور اس کے وسیع مضمرات پر ان کا یقین اور زیادہ مستحکم ہو گیا۔[15]

علم و دین کی وحدت کا جو تصور فکر اقبال کی روشنی میں سطور بالا میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ اقبال کے نزدیک وحدت علم و دین کے تصور سے دونوں کی یکجائی مراد ہے۔ علم برائے علم اسلام میں مقصود نہیں بلکہ اسلام علم کو فکر و عقیدہ کی اصلاح کا ضامن قرار دیتا ہے اور اس کے مطابق انسانی زندگی میں انقلاب کا خواہاں ہے۔ اقبال نے جہاں تعلیم کو خودی کے ساتھ جوڑا ہے اس کا مفہوم یہی ہے کہ تعلیم وہی فائدہ مند ہے جو انسان کو اول تو اس شاہراہ حیات پر چلنے کا گر سکھا دے جسے اسلام نے اس کے لئے واضح طور پر بیان کر دیا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہو کہ وہ شخص اس تعلیم کو حاصل کرنے کے بعد عملی طور پر اس راستے پر گامزن ہو جائے۔ نظام ہائے تعلیم میں جس ثنویت یا تفریق نے دنیا بھر کے مسلمانوں اور خاص کر اسلامیان پاکستان کو مختلف طبقات میں بانٹ کر رکھ دیا ہے اقبال کے تصور وحدت علم میں اس کی بالکل بھی گنجائش نہیں پائی جاتی۔

تصور دین اور وحدت:

اقبال نے دین کو اس انداز سے متعارف کرایا کہ فی الواقع دین ہی مسلمانوں کو وحدت کی لڑی میں پرو دینے کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ انہوں نے دین کے جامع تصور کی واشگاف الفاظ میں ترجمانی کی۔ اقبال عقیدتاً اس بات کے خلاف تھے کہ مذہب کا معاملہ ہر فرد کی اپنی ذات تک محدود ہے اور یہ کہ دنیوی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ۱۹۳۱ء میں کل ہند مسلم لیگ کے اجلاس میں خطبہ صدارت میں انہوں نے فرمایا کہ: اسلام کے نزدیک ذات انسانی بجائے

---

[15] علامہ محمد اقبال، ضرب کلیم، (اقبال اکادمی لاہور ۲۰۱۸ء) صفحہ ۹۹

خود ایک وحدت ہے، وہ مادے اور روح کی کسی ناقابل اتحاد ثنویت کا قائل نہیں ہے۔ اسلام کی رو سے خدا اور کائنات ، کلیسا اور ریاست، روح اور مادہ ایک ہی کل کے مختلف اجزاء ہیں، انسان کسی ناپاک دنیا کا باشندہ نہیں، اقبال ہمیشہ تاریخ تمدن اسلام کے باطنی پہلو سے زیادہ متاثر رہے، انہوں نے خطبات کی بنیاد بھی اس بات پر رکھی۔[16]

اقبال مسلمانوں میں مذہب کی راہ سے پیدا ہونے والے بے اصل تصورات کے شدید مخالف تھے جنہیں مسلمانوں نے دنیا کے ان مذاہب کی نقالی کرتے ہوئے اسلام کا حصہ سمجھ لیا تھا جن کا اپنے ماننے والوں سے چند ایک بے جان قسم کے مراسم عبودیت انجام دینے کے سوا کوئی اور مطالبہ نہیں۔ اس سلسلے میں اقبال نے ایک جانب جامد مذہبیت، منفی ملائیت اور بے تعلق خانقاہیت کو تنقید کا نشانہ بنایا اور دوسری طرف ان تصورات کی بھی بیخ کنی کرتے رہے جن میں اسلام قول و قرار اور ظاہری رسم سے بڑھ کر کچھ نہ رہے۔ اس دور میں مسلمانوں کی صورت حال ایسی ہو چکی تھی کہ مسلمان عملی طور پر دو طبقوں میں بٹ کر رہ گئے تھے، ایک نے روح کو اپنا مرکز قرار دے دیا اور ایک کے نزدیک مادہ ہی ہر شے میں کار فرما تھا۔ اس طرح مسلمانوں میں عالم عیسائیت جیسی روح اور مادہ کی ثنویت پیدا ہوئی۔ دین اور دنیا دو الگ الگ خانے بن گئے۔ کچھ لوگ دین داری کے خانے میں اور کچھ لوگ دنیاداری کے خانے میں بٹ گئے اور دونوں کا ایک دوسرے سے تعلق معاونت کے بجائے مخاصمت و عداوت کا تھا۔ صورتحال کی سنگینی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے اس طرح کے طبقے بننے کے علاوہ ہر فرد اپنی ذات میں دو عملی اور داخلی تناقض میں مبتلا ہو کر رہ گیا اور مسلمانوں کی اجتماعی وحدت پارہ پارہ ہو گئی۔ اقبال نے مسلمانوں کو اس صورت حال سے نکلنے کے لیے بطور علاج خودی کو انفرادی و اجتماعی دونوں سطحوں پر اختیار کرنے کا درس دیا۔ انہوں نے پہلے طبقے کو مخاطب کرتے ہوئے برملا کہا:

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں
بہانہ بے عملی کا بنی شراب الست[17]

---

[16] سید ابوالحسن علی ندوی، نقوش اقبال، (مجلس نشریات اسلام کراچی سن ندارد) صفحہ ۸۳

اور دوسرے طبقے کے مسلمانوں کو ان الفاظ سے مخاطب کیا:

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا[18]

اقبال نے ایک ایک کر کے مسلمانوں کے تمام امراض کی نشان دہی کی اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسلام کے زریں اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ان بیماریوں کی دوائے شافی بھی تجویز کی۔ مسلمان اقوام مغرب کی تقلید میں مبتلا تھے اور اہل مغرب کی مانند مسلمان بھی قوم و وطن کو وحدت اسلامی کی بنیاد خیال کرنے لگے تھے۔ اقبال نے انہیں درس دیا کہ ہمارے پاس وحدت اسلامی کی جو بنیاد موجود ہے اسے مغرب کی کورانہ تقلید میں قربان نہیں کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں اقبال نے مختلف پیرایوں میں مسلمانوں کو نہ صرف متوجہ کیا بلکہ انہیں نہایت پر سوز لہجے میں خبر دار کرتے رہے کہ جب تک مسلمانوں نے وحدت اسلامی کی بنیادوں پر جو دنیا بھر میں ان کے درمیان قدر مشترک ہیں باہم اتفاق پیدا نہ کیا تو انہیں دنیا میں کسی معاملے میں عروج نصیب نہ ہو گا۔ مغرب کی تقلید کے حوالے سے فرمایا:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری[19]

تحریک اتحاد اسلامی کی راہ میں مزاحم وطن پرستی کو کھلے الفاظ میں شرک کے مترادف قرار دیتے ہوئے کہا:

---

[17] سمیع اللہ قریشی، افکار اقبال، (سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۷ء) صفحہ ۸۸

[18] علامہ محمد اقبال، ضرب کلیم، (اقبال اکادمی لاہور ۲۰۱۸ء) صفحہ ۵۱

[19] علامہ محمد اقبال، سرود رفتہ،

مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداوں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے[20]

عالمی سطح پر مسلمانوں کے درمیان وحدت اسلامی کو فروغ دیتے ہوئے مشترکہ اقدار کی توضیح کے لیے جو اسلوب و آہنگ اقبال نے اختیار کیا ہے اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ اس سلسلے میں اقبال کہتے ہیں:

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں[21]

فکر اقبال میں نظام حیات کی وحدت:

سطور بالا میں اقبال کے فکر و فلسفے کی روشنی میں علم اور دین کے مابین اور اسلام کے پیش کردہ تصور دین میں وحدت کے پہلو کو اجاگر کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ جس طرح دین کے تصور میں وحدت

[20] http://iqbalstudy.blogspot.com/2015/09/blog-post_86.html

[21] علامہ محمد اقبال، بانگ درا، (اقبال اکادمی لاہور ۲۰۱۸ء) صفحہ ۲۶۱

ہونی چاہئے اور اسی طرح علم و دین کے مابین بھی یکجائی کے تصور کو فوقیت دینی چاہئے اسی طرح وحدت کا یہ تصور بالآخر مسلمانوں کو نظام حیات کی وحدت کی طرف لے کر جاتا ہے۔ جیسے اقبال نے بال جبریل میں آیت قرآنی سخر لکم مافی السموت ومافی الارض جمیعا کی روشنی میں یہ بات کہی ہے:

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل، یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر یہ ہوائیں
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ!
خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پنہاں ہے ترے خون جگر میں
اے پیکر گل کوشش پیہم کی جزا دیکھ![22]

اقبال نے مسلمانوں کو متوجہ کرتے ہوئے کہا ہے:

---

[22] ایضاً صفحہ ۱۷۱

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ

مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ [23]

اقبال نے کئی مقامات پر لا الٰہ الا اللہ کا حقیقی تصور اجاگر کرنے کی سعی کی ہے اور اس سے اقبال کے پیش نظر یہی ہے کہ نظام عبادت کی طرح نظام حیات میں بھی بہر طور صرف اللہ وحدہ لا شریک کی اطاعت و فرمانروائی ہونی چاہیے خواہ اس کا تعلق زندگی کے کسی شعبے تمدن، معاشرت، معیشت وسیاست یا حکومت وعدالت سے ہو، ہر جگہ ایک ہی رنگ دکھائی دینا چاہیے۔ اقبال نے مسلمانوں کی درس گاہوں کا شکوہ کیا ہے جنہوں نے اسلام کے اس تصور وحدت میں تفریق ڈال کر اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اس سلسلے کے اقبال کے چند اشعار ذیل میں دیے گئے ہیں:

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا

کہاں سے آئے صدا، لا الٰہ الا اللہ [24]

ایک اور جگہ یوں گویا ہوتے ہیں:

کیا ہے تو نے متاع غرور کا سودا

فریب سود و زیاں، لا الٰہ الا اللہ

یہ مال و دولت دنیا، یہ رشتہ و پیوند

بتان وہم و گماں، لا الٰہ الا اللہ

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں

مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

---

[23] ایضاً صفحہ ۲۱۴

[24] علامہ محمد اقبال، بال جبریل، (اقبال اکادمی لاہور ۲۰۱۸ء) صفحہ ۱۳۶

اقبال کے ان تصورات کی بنیاد پر ان کی فکر کے ماخذ کے بارے میں یہ رائے بھی قائم کی گئی ہے کہ فکر اقبال کا حقیقی ماخذ قرآن حکیم ہے۔[25]

اقبال نے نظام حیات کی وحدت کے سلسلے میں مذہب اور سیاست کے باہمی تعلق کو بھی موضوع بحث بنایا۔ بقول شخصے علامہ نے یہ کہنے کی جسارت کی کہ مذہب اور سیاست میں جدائی انسان کی سب سے بڑی بد نصیبی ہے اور ان دونوں میں علیحدگی ہی تہذیب کے مکمل ڈھانچے کی تباہی و بربادی کی وجہ بن سکتی ہے۔[26] دین و سیاست کی تفریق پر جو تبصرہ اقبال کی اپنی زبانی ہوا ہے وہ بہت جاندار اور مسلمانوں کے لئے فکر انگیز ہے:

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی[27]

ایک اور مقام پر اقبال نے دوئی اور تفریق کے اثرات بد کی جانب ان الفاظ میں نشان دہی کی ہے:

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری
دوئی ملک و دیں کے لئے نامرادی
دوئی چشم تہذیب کی نابصیری[28]

---

[25] ایضاً صفحہ ۱۳۵

[26] ایضاً صفحہ ۵۷

[27] علامہ محمد اقبال، ضرب کلیم، (اقبال اکادمی لاہور ۲۰۱۸ء) صفحہ ۲۸۔۲۷

[28] محمد معظم الدین، قرآن مجید، فکر اقبال کا ماخذ، (الولی حیدر آباد، شمارہ ۱۲، جلد ۱۵۔۱۴، ستمبر اکتوبر ۱۹۹۱ء) صفحہ ۸

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس الٰہ آباد کے خطبہ صدارت میں اقبال نے واشگاف الفاظ میں ہند کی ملت اسلامیہ کو ان کے مستقبل کی تشکیل کے سلسلے میں متوجہ کرتے ہوئے دین و سیاست کے تصور وحدت سے مدد لی۔ اس موقعے پر انہوں نے کہا کہ:

افراد اور ریاست کی زندگی میں مذہب ایک طاقت ہے جو بے انتہا اہم ہے۔۔۔۔ یہ نہ سمجھئے کہ جس مسئلہ کی میں نشان دہی کر رہا ہوں وہ محض ایک نظریاتی معاملہ ہے، یہ بالکل زندہ اور عملی مسئلہ ہے جو زندگی اور کردار کے ضابطے کی حیثیت سے اسلام کی جڑ اور بنیاد کو متاثر کرتا ہے۔ صرف اس کے مناسب عمل پر ہی ہند میں ایک علیحدہ ثقافتی وحدت کے طور پر اس کے مستقبل کا انحصار ہو گا۔[29]

یہاں صرف اقبال کے تصور وحدت کی ایک جھلک دکھلانا مقصود ہے اور بطور خاص شعرائے عجم میں جس بات نے انہیں امتیازی مقام عطا کیا ہے اس کے چند پہلوؤں کی نشان دہی کے ذریعے اس جانب بالخصوص عصر حاضر کے اہل دانش و اہل ذوق کی اور بالعموم نوجوانوں اور عام مسلمانوں کی توجہ مبذول کرانا پیش نظر ہے۔ اس سلسلے میں اقبال کے بارے میں ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم کا یہ تذکرہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے: اقبال نے شاعری سے جو کام لیا ہے اس کی نظیر مسلمانوں کی شاعری کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ اقبال کے کلام میں جو ثروت افکار ہے وہ عدیم المثال ہے۔ شاعری کو عام طور پر لطف طبع کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور اس کو اعمال حسنہ میں شمار نہیں کیا جاتا۔ زیادہ تر شاعری ہوتی بھی ایسی ہی ہے لیکن شاعری کی ایک وہ بھی قسم ہے جو گرتوں کو ابھارتی ہے اور خستگان حیات کے دل قوی کرتی ہے۔۔۔۔ اقبال کے افکار و تاثرات کی گونا گونی اور بو قلمونی کی کوئی حد نہیں لیکن جس طرح کائنات کی کثرت میں بھی ایک وحدت مضمر ہے اسی طرح اقبال کے افکار بھی اپنے اندر ایک وحدت نظر رکھتے ہیں۔[30]

---

[29] اقبال احمد صدیقی (مترجم)، علامہ اقبال، تقریریں، تحریریں اور بیانات، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان طبع دوم ۲۰۱۵ء) صفحہ ۱۲

[30] علامہ محمد اقبال، بال جبریل، (اقبال اکادمی لاہور ۲۰۱۸ء) صفحہ ۵۴

نتائج بحث و سفارشات:

• علامہ اقبال اردو شعر و ادب میں اپنی ندرت فکر اور مسلمانوں کی بیداری کے سلسلے میں فکر مندی کے لحاظ سے ممتاز حیثیت کے مالک سمجھے جاتے ہیں۔

• اقبال نے جن تصورات کو زیادہ اہمیت دی ان میں نمایاں تصور وحدت ہے۔ اپنے افکار کی مدد سے انہوں نے جابجا مسلمانوں پر واضح کیا ہے کہ اگر مسلمانوں میں وحدت ہو اور اس کے ساتھ ہی ان کا تحقیق و اجتہاد کے ساتھ مضبوط رشتہ استوار ہو جائے تو ان کے عروج کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔ اقبال نے مسلمانوں میں اپنے افکار و خیالات کے ذریعے نہایت بلند آہنگ میں وحدت کا تصور پیدا کرنے کی کوشش کی اور انہیں خبر دار کیا کہ ان کی صفوں میں افتراق و تشتت ان کے اجتماعی وجود کے لئے سم قاتل ہے۔

• اقبال نے اپنی فکر اور فلسفے کے ذریعے شعر و ادب کے میدان میں دین اسلام کی نمائندگی کا کلچر پروان چڑھایا اور اسلام کو مسلمانوں کی عام دنیاوی زندگی اور اجتماعی معاشرت کے لئے ایک متحرک قوت کے طور پر پیش کرنے کی طرح ڈالی جس سے اردو زبان میں شاعری اور دیگر اصناف کو مقصدیت اور اعلی و ارفع مقاصد حیات سے ہمکنار کرنے میں مدد ملی۔

• علامہ اقبال نے تعلیم کے باب میں زیادہ تر مسلمانوں کو اپنے عظیم تاریخی ورثے کی جانب پلٹنے کا مشورہ دیا جس کی رو سے انہیں جدت و اجتہاد کا بے مثال درس دیا جسے اپنا کر مسلمانوں نے صدیوں تک دنیائے تحقیق و ترقی کو اپنے افکار کے مطابق چلایا ہے۔ اقبال نے نظام حیات کی وحدت کے سلسلے میں مذہب اور سیاست کے باہمی تعلق کو بھی موضوع بحث بنایا اور انہوں نے یہ کہنے کی جسارت کی کہ مذہب اور سیاست میں جدائی انسان کی سب سے بڑی بد نصیبی ہے۔

•اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علامہ اقبال نے اپنی پرجوش شاعری، علمی و عقلی استدلال سے مزین خطبات اور ولولہ انگیز تقریروں سے مسلمانان برصغیر میں فکری و نظریاتی بنیادوں کو استوار کرنے میں اہم کردار ادا کیا جس کے نتیجے میں بالآخر قیام پاکستان کی راہ ہموار ہوئی۔ اس لحاظ سے
اقبال کی فکر اور انقلابی شاعری کی ترویج کے ذریعے آج بھی مسلم امت کو عروج کی منزل کی جانب گامزن کیا جاسکتا ہے۔

•عصر حاضر میں اس امر کی ضرورت ہے کہ جس طرح اقبال کو معاشرتی سطح پر قبولیت اور پذیرائی حاصل ہے ان کی شاعری اور نثری کاوشوں کی آگاہی عام کرنے کے لئے اہل علم و تحقیق اپنی تحریر و تقریر کے ذریعے ان کے خیالات کو فروغ دیں۔

•ہر سطح کے تعلیمی اداروں اور بالخصوص دینی تعلیم کے اداروں میں اقبال کے افکار و خیالات اور ان کی فکر انگیز شاعری کو اقبالیات کے عنوان سے تعلیمی سرگرمیوں کا حصہ بنایا جائے۔